Surah Nisa (Ayat 166-176)

Fi Zilal Al Quran:

166: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور اس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں' اگرچہ اللہ کا گواہ ہونا بالکل کفایت کرتا ہے

(آیت)" نمبر ۱۶۶۔

اہل کتاب اس آخری رسالت کا انکار کرتے ہیں' حالانکہ یہ رسالت اللہ کی سنت کے عین مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسولوں کو بھیجتے رہتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت دیں اور تاکہ لوگوں کے پاس قیامت کے دن کوئی حجت نہ رہے اور یہ کہ اہل کتاب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قبل کے تمام رسل کو مانتے ہیں اور یہودی بھی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے قبل کے تمام رسولوں کو مانتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور آپ سے پہلے کے تمام رسولوں کو مانتے ہیں۔ اگر باوجود ان حقائق کے یہ لوگ مان کر نہیں دیتے تو نہ سہی (مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ اے نبی جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور اس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں اگرچہ اللہ کا گواہ ہونا بالکل کفایت کرتا ہے۔)

اس آیت میں قرآن کی سچائی پر اللہ کی گواہی ہے' اللہ کے بعد فرشتوں کی گواہی ہے اور ان فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں جنہوں نے اس قرآن کو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کریم پر اتارا۔ ان دو گواہیوں سے وہ دعوی ساقط ہو جاتا ہے جو اہل کتاب کرتے ہیں۔ اگر اللہ گواہی دیتا ہے تو ان لوگوں کے انکار کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ اگر فرشتے گواہ ہیں تو ان کا انکار چہ معنی دارد۔ جبکہ اللہ کی شہادت ہی کفایت کرتی ہے۔ اس شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دیدی کیونکہ یہودی انکار حق کے ساتھ ساتھ رات دن سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں بھی مصروف تھے۔

نیز اس شہادت کی وجہ سے اہل اسلام کو اطمینان دلانا بھی مطلوب ہے تاکہ وہ اپنے موقف پر اچھی طرح جم جائیں یہ یقین دہانی انھیں اس دور میں کی گئی جب وہ مدینہ میں نووارد تھے۔ اس دور میں مدینہ کے یہودیوں نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا اور وہ مختلف طریقوں' مختلف اسالیب سے اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں اس کا بھرپور جواب دیا۔

یہاں آکر اب منکرین حق کو ایک تہدید آمیز دھمکی دی جاتی ہے۔ اور اللہ اور فرشتوں کی شہادت کے بعد اب دھمکی ہی ان کے خلاف مناسب انداز ہے اس لیے کہ اس شہادت کے باوجود لوگ ہٹ دھرمی اور روگردانی میں مبتلا تھے۔

167: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ○

جو لوگ ان کو ماننے سے خود انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں وہ یقینا گمراہی میں حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔

168: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ○

اسی طرح جن لوگوں نے کفر وبغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم وستم پر اتر آئے اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور انھیں کوئی راستہ۔

169: اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ○

بجز جہنم کے راستہ کے نہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

(آیت) " نمبر ۱۶۷ تا ۱۶۹۔

یہ اوصاف اور یہ فیصلے ' باوجود اس کے کہ یہ عام ہیں ان کا اطلاق سب سے پہلے یہودیوں پر ہوتا ہے اور دین اسلام اور اس کے پیروکار ان کے ساتھ یہ موقف ان کا رہا ہے۔ بلکہ یہودیوں نے ہر سچے دین کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا۔ یہ یہودی وہ ہوں جو آغاز اسلام کے وقت مدینہ میں موجود تھے یا وہ ہوں جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے وقت موجود تھے یا ان کے بعد آج تک وہ کبھی موجود رہے ہوں یا وہ جو آج ہمارے دور میں موجود ہیں' ان میں سے شاذ و نادر ہی ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اپنے دل اسلام کیلئے کھول دیئین تھے اور ہدایت سے سرفراز ہوئے۔

یہ یہودی ہوں یا وہ لوگ ہوں' جن پر بھی صفت کفر اور دین اسلام کی راہ روکنے کی صفت کا اطلاق ہوتا ہے وہ یقینا گمراہ ہوگئے ہیں اور راہ حق سے بہت دور نکل گئے ہیں' انھوں نے اس راہ کو بھلا دیا جس کی طرف اللہ نے ان کی راہنمائی کی تھی اور انھوں نے وہ رستہ ترک کر دیا جو زندگی کا راہ مستقیم تھا۔ وہ فکری' تصوراتی اور اعتقادی لحاظ سے گمراہ ہوگئے۔ وہ اپنے طرز عمل' اپنے معاشرے اور اپنے اطوار کے لحاظ سے گمراہ ہوگئے۔ وہ دنیا میں بھی گمراہ ہوگئے اور آخرت میں بھی گمراہ ہوگئے۔ وہ اس قدر دور چلے گئے کہ ان کی واپسی کی کوئی امید نہیں رہی ہے۔ (آیت) " ضلوا ضلالا بعیدا "۔ (۴ : ۱۶۷) (وہ راہ حق سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں)

(آیت) " ان الذین کفروا وظلموا "۔ (۴ : ۱۶۸) " جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کرنے لگے۔ " کفر بذات خود ظلم ہے۔ یہ حق کے ساتھ ظلم ہے۔ یہ نفس انسانی کے ساتھ ظلم ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ ظلم ہے۔ قرآن کریم بعض اوقات کفر پر ظلم کا اطلاق بھی کرتا ہے۔ مثلا (آیت) " ان

الشرک لظلم عظیم) "بیشک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔" اور دوسری جگہ ہے۔ (آیت) "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون"۔ (جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔" اس آیت سے پہلی آیت میں ایسے لوگوں کے بارے میں کہہ دیا گیا تھا کہ جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (اس کے بارے میں تفصیلی بحث اس پارے کی سورۃ مائدہ میں ہو گی) ان لوگوں نے صرف شرک کے ظلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ انھوں نے اللہ کی راہ روکنے کا ارتکاب بھی کیا۔ اس طرح گویا یہ لوگ کفر میں بہت ہی دور نکل گئے یا ظلم میں حدوں سے نکل گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کیلئے اخروی سزا بھی مقرر فرما دیتے ہیں۔

(آیت) "ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ قد ضلوا ضلالا بعیدا (۱۶۷) ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا (۱۶۸) الا طریق جھنم خلدین فیھا ابداء وکان ذلک علی اللہ یسیرا (۱۶۹)

جو لوگ ان کو ماننے سے خود انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں وہ یقینا گمراہی میں حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے کفر و بغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر اتر آئے اللہ ان کو ہر گز معاف نہ کرے گا اور انھیں کوئی راستہ۔ بجز جہنم کے " راستہ کے نہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کو بخش دے' جبکہ وہ بہت ہی دور نکل گئے ہیں اور انھوں نے اپنے اوپر خود رحمت و مغفرت کے دروازے بند کر لیے ہیں۔ اب اللہ کی شان کے یہ لائق نہیں ہے کہ جہنم کی راہ کے سوا انھیں کسی اور راستے کی طرف راہنمائی کرے۔ اس لیے کہ انھوں نے خود اپنے لیے ہدایت کے تمام راستے بند کر لیے ہیں اور انھوں نے ان تمام راستوں میں رکاوٹیں خود قائم کر لی ہیں اور صرف اپنے لیے جہنم کی راہ کھلی رکھی ہے۔ اور جہنم کی راہ پر بھی وہ بہت دور نکل گئے ہیں اور اس راہ کے اب وہ دائمی مسافر بن گئے ہیں۔ یہ لوگ اسی پر چلتے رہیں گے اس لیے کہ انھوں نے کفر' ظلم اور اللہ کی راہ کو روکنے کو اپنا مستقل مشغلہ بنا رکھا ہے اور ان سے اب صرف یہی توقع ہے کہ یہ لوگ صرف اسی راستے پر آگے جائیں گے۔

(آیت) "وکان ذلک علی اللہ یسیرا"۔ (۴ : ۱۶۹) "اور اللہ کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے"۔ وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے۔ اس کے اور اس کے بندوں میں سے کسی کے درمیان نہ نسب ہے اور نہ رشتہ داری ہے۔ اس کے لیے سب کو سزا دینا بہت ہی آسان ہے۔ کسی بندے کے پاس اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی قوت ہے اور نہ کوئی تدبیر' جس کے ذریعہ وہ اللہ کیلئے کوئی مشکلات پیدا کر سکے۔

یہودی بھی عیسائیوں کی طرح یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اور وہ یہ بھی کہتے تھے (آیت) "لن تمسنا النار الا ایاما معدودات) "ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر چند گنے چنے دن" اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس نے

ان تمام باتوں کی نفی کر دی۔ اور ہر کسی کو اپنے مقام پر کھڑا کر دیا کہ سب بندے ہیں اگر انھوں نے اچھے کام کئے تو اس پر انھیں ثواب ملے گا اور اگر انھوں نے برے کام کئے اور توبہ و استغفار کا موقعہ نہ ملا تو انھیں عذاب دیا جائے گا اور یہ کام اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

ان تصریحات کے بعد یہاں آکر پوری انسانیت کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ یہ رسول تمہارے پاس ایک سچائی لیکر آیا ہے۔ اگر اس پر کوئی ایمان لائے گا تو یہ خود اس کیلئے ایک قسم کی بھلائی ہو گی اور جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہ ہو گا۔ وہ تو سب سے مستغنی ہے۔ اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔ اور زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے' اسی کیلئے ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور تمام معاملات کو اپنے علم اور حکمت کے مطابق چلاتا ہے۔

170: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○

لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آگیا ہے' ایمان لے آؤ تمہارے ہی لیے بہتر ہے اور اگر انکار کرتے ہو تو جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔

(آیت) " نمبر ۱۷۰۔

اس دعوت عامہ سے پہلے' اہل کتاب کی تمام افترا بازیوں کا رد کیا گیا تھا اور یہودیوں کی فطرت اور ان کے منکرات اور ان کی تاریخی بداعمالیوں کا تذکرہ کیا گیا تھا اور یہ بتایا تھا کہ یہ لوگ ہمیشہ ہٹ دھرم رہے ہیں۔ انھوں نے یہی سلوک حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ بھی کیا حالانکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے قائد عظیم نبی اور ان کے نجات دہندہ تھے۔ نیز اس دعوت عامہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے رسالت کی حقیقت بھی بیان کر دی تھی اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ رسالت کے مقاصد کیا ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کیلئے رسولوں کا بھیجنا ضروری تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ سب سے آخر میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا جائے اس لیے کہ یہ آخری نبی تمام جہانوں کیلئے ہے۔ آپ کی دعوت "کافۃ للناس' ہے جبکہ آپ سے قبل جتنے رسول آئے تھے وہ اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن جب سلسلہ رسالت کا خاتمہ طے ہوا تو ضروری تھا کہ خاتم النبیین تمام دنیا کیلئے پیغام لانے والے ہوں۔ (آیت) "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (۴: ۱۶۵) "تاکہ رسولوں کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔" اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت عام نہ ہوتی اور اس کا اطلاق پوری دنیا کے لوگوں پر نہ ہوتا تو آپ کے بعد جو لوگ اور جو اقوام آتیں' قیامت تک کیلئے ان پر حجت تمام نہ ہوتی بلکہ ان کے ہاتھ اللہ کے خلاف یہ حجت آجاتی کہ ان تک تو کوئی رسول سرے سے بھیجا ہی نہیں گیا۔ اس لیے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کو تمام لوگوں اور تمام

زمانوں کیلئے عام کر کے اور آخری رسالت قرار دے کر اس حجت کو تمام کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ بات کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا یا یہ کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی صفت عدل وانصاف کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول بھیجنے کے بغیر ہی لوگوں کو جزاوسزا دین۔ یہ بات نا قابل انکار ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قبل کسی نبی اور رسول کی رسالت رسالت عامہ نہ تھی اس لیے رسالت عامہ کی ضرورت تھی۔ یہ رسالت عامہ اللہ کی صفت عدل اور لوگوں کے ساتھ اس کی رحمت کا تقاضا تھی اور اللہ کی یہ بات سچ تھی کہ ہم نے آپکو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اس دنیا میں بھی رحمت تھے اور آخرت میں بھی رحمت ہوں گے۔ جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے۔

: درس نمبر ۴۴ ایک نظر میں

اس سبق میں اہل کتاب میں سے نصاری کے ساتھ ایک راؤنڈ ہے جیسا کہ اس سے پہلے سبق میں یہودیوں کو لیا گیا تھا بہر حالت روئے سخن دونوں فرقوں کی طرف ہے جو مسیح اور مریم کے بارے میں افراط و تفریط میں مبتلا تھے۔

اس سے پہلے سبق میں قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ کی جانب سے یہودیوں کی خرافات کا جواب دیا تھا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو صلیب پر چڑھانے کے بارے میں صحیح صورت حال بیان کی تھی۔ یہودیوں' ان کے اقوال و عقائد اور ان کی ہٹ دھرمی کے مقابلے میں سچائی کی مدافعت کی گئی تھی۔

اس سبق میں بھی موضوع سخن سچائی ہے اور روئے سخن خود نصاری کی طرف ہے کہ وہ خود بھی حضرت مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں اور یہ کہ بعض اقوام کے اندر نصرانیت کے سادہ عقائد کے ساتھ ساتھ بت پرستی بھی ان کے نظریات کا جزو بن گئی تھی۔ جس وقت ان اقوام نے عیسائیت کو قبول کیا اور مضبوط تعلقات قائم ہوگئے تو خصوصا یونانی دیومالائی تصورات اور رومی قصے اور کہانیاں اور قدیم مصریوں کی توہم پرستی اور ہندوؤں کی بت پرستی وغیرہ ان کے عقائد میں داخل ہوگئے۔

قرآن کریم جس وقت نازل ہوا' اس وقت اہل کتاب کے عقائد میں بے حد تحریفات ہوگئی تھیں۔ ان کے عقائد کے اندر جو دیومالائی قصے داخل ہوگئے تھے قرآن کریم نے ان کا بطلان کیا اور ان کے تمام منحرف عقائد کی نشاندہی کی۔ اسی طرح دین ابراہیم (علیہ السلام) پر جو لوگ قائم تھے اور جو اپنے آپ کو دین حنیف پر سمجھتے تھے' ان کے عقائد کے اندر بھی گہرا انحراف پیدا ہو گیا اور ان کے تصورات میں بھی قصے' کہانیاں اور جاہلیت کے باطل طور طریقے داخل ہوگئے تھے۔ یہ لوگ بھی جزیرۃ العرب میں موجود تھے۔

اسلام اس لیے آیا کہ تمام انسانوں کیلئے' ان کے الہ کے بارے میں ان کے عقائد درست کر دے اور انسانوں کو ہر قسم کے انحراف اور خلل سے نجات دلائے۔ عقائد کے اندر ہر قسم کے غلو اور افراط و تفریط کو ختم کر دے اور فکر انسانی کو سیدھی راہ پر ڈال دے۔ اس طرح اسلام نے ارسطو کے

تصور توحید میں اصلاح کی جو اس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت سے پہلے یونان میں پیش کیا تھا۔ اسی طرح اسکندریہ میں افلاطون نے ولادت مسیح کے بعد جو افکار پیش کئے ان میں بھی اصلاح کی۔ نیز ان دونوں کے بعد الہیات کے میدان میں جو افکار بھی نام نہاد بڑے دماغوں نے پیش کئے وہ سب کے سب گمراہی اور مخبوط الحواسی کی واضح مثال تھے۔ یہ انسانی عقل کا نتیجہ تھا اور یہ تمام افکار اس بات کے محتاج تھے کہ اللہ کی جانب سے ارسال کردہ پیغام ان کی راہنمائی کرے اور ان گم کردہ راہ لوگوں کو سراب سے نکالے۔

یہاں جو مسئلہ پیش کیا جاتا ہے وہ تثلیث کا مسئلہ ہے' جس میں عیسائیوں نے یہ کہانی گھڑی تھی کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں' اس غلط عقیدے کی تردید کر کے درست اور سیدھے طریقے سے عقیدے توحید کو سمجھایا گیا۔

جس وقت اسلام آیا اس وقت عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان جو عقیدہ رائج تھا وہ یہ تھا کہ اللہ اقانیم ثلاثہ کے اندر ایک ہے۔ باپ' بیٹا اور روح القدس۔ ان تینوں میں سے مسیح بیٹا تھا۔ اس کے بعد مسیح کے بارے میں ان کے مذاہب و مکاتب فکر مختلف تھے۔ آیا وہ لاہوتی طبیعت رکھتے تھے یا ناسوتی طبیعت کے مالک تھے یا دونوں کا امتزاج تھے۔ پھر ان کی اپنی حیثیت اختلاف طبعی کے باوجود ایک تھی یا مختلف حیثیات تھیں یا یہ کہ باپ کی طرح قدیم تھے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان اختلافی مذاہب فکر کے درمیان پھر تصادم بھی ہوتے رہے اور ایک دوسرے پر سخت مظالم بھی کئے گئے۔ (اس کی تفصیلات اس سورۃ میں تشریح آیات کے وقت دی جائیں گی) تاریخی تحقیقات اس بات کی مظہر ہیں کہ عقیدہ تثلیث' عقیدہ انبیت مسیح عقیدہ الوہیت مریم' اور تثلیث کی متعدد شکلوں میں مریم کی شمولیت وغیرہ یہ تمام عقائد ابتدائی مسیحیت کا حصہ نہ تھے۔ یہ عقائد تاریخ کے مختلف ادوار میں مسیحیت میں داخل ہوتے رہے ہیں اور مختلف بت پرست اقوام فوج در فوج مسیحیت میں داخل ہوتی رہیں اور بت پرستی ساتھ لاتی رہیں اس لیے کہ قبول عیسائیت کے ساتھ ان کی نظریاتی تطہیر نہ ہو سکی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تثلیث مصر کے بعض قدیم مذاہب سے لی گئی ہے مثلاً ان میں "اور زوریس' ایزلیس اور حوریس" اور ان مذاہب میں دوسری متعدد تثلیثات اس عقیدے کا ماخذ ہیں۔

نصاریٰ میں بھی عقیدہ توحید کے حامل فرقے ہمیشہ رہے ہیں اور پوری تاریخ مسیحیت میں ان موحدین پر سخت مظالم ہوتے رہے ہیں۔ خصوصاً رومی کلیسیا کی طرف سے اور ان لوگوں نے جیسا کہ ہمیشہ اہل توحید کا شیوہ رہا ہے' ان مظالم کا بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہ مقابلہ کیا۔ یہ مظالم چھٹی صدی عیسوی تک مختلف سوسائیٹوں کی طرف سے ہوتے رہے جو حکومت کی حامی تھیں۔ ان موحدین پر جو مظالم ڈھائے گئے ان قتل عام' جلاوطنی اور تمام دوسرے مظالم شامل تھے۔

آج تک نصاریٰ کے عقلمند لوگوں کے ذہنوں میں عقیدہ تثلیث کے بارے میں ایک شدید خلجان موجود ہے۔ اور اہل کنیسہ اسے مختلف طریقوں سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھاتے ہیں اور ان کا آخری حربہ یہ ہے کہ یہ لوگ اسے یکے از مجہولات قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کا صحیح انکشاف اس وقت ہو گا جب زمین و آسمان کے تمام راز کھول دیئے جائیں گے۔

رسالہ "اصول وقوع" کے مدیر مسٹر پیٹر جو عقیدہ تثلیث کے شارحین میں سے ممتاز شخص ہیں' وہ کہتے ہیں کہ "ہم نے اپنی عقل کی حدود کی حد تک اس کو یوں ہی سمجھا ہے اور امید ہے کہ مستقبل میں ہم اس عقیدے کو اچھی طرح سمجھ سکیں جب اللہ تعالیٰ گے جب اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کے رازوں سے پردہ اٹھائیں گے۔" (دیکھئے نصرانیت پہ معاملات ابوزہرہ)

171: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۣ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اے اہل کتاب' اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ کی طرف حق کے سواء کوئی بات منسوب نہ کرو مسیح عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں۔ باز آجاؤ' یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین وآسمان کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں' اور ان کی کفالت وخبر گیری کیلئے بس وہی کافی ہے۔

(آیت) " نمبر: ۱۷۱۔

نصرانیوں کا عقیدہ تثلیث غلو فی الدین' حدود سے تجاوز اور حق سے روگردانی ہے اس لیے اہل کتاب کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں وہی کچھ کہیں جو حق ہو' مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے یا یہ کہ وہ تین میں سے ایک ہے۔

ان کے ہاں نظریہ تثلیث مختلف ادوار کے اندر ان کی فکری اتار چڑھاؤ کے مطابق بدلتا رہا ہے۔ لیکن اللہ کی طرف بیٹے کی نسبت کر کے انسان کی فطری ناپسندیدگی کی وجہ سے اور دور جدید کی عقلیت پسندی کی وجہ سے وہ اس ابنیت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اس بیٹے کی ولادت اس طرح نہیں ہوئی جس طرح عام بشر کی ولادت ہوتی ہے بلکہ اس کی حقیقت اس طرح ہے جس طرح باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے اور تین میں سے ایک کی تشریح وہ اس طرح کرتے ہیں جس طرح ایک کی تین صفات ہوتی ہیں۔ اگرچہ آج تک وہ ان ناقابل فہم اور متضاد تصورات کو انسانی فہم وادراک کے اندر داخل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آخر کار انھوں نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ غیبی معمے ہیں اور ان کی حقیقت کا ادراک اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کے رازوں سے پردہ اٹھائیں گے۔

اللہ کی ذات شرکت اور مشابہت سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کی ذات اپنی مخلوق سے علیحدہ ذات ہو۔ خالق اور مخلوق کے درمیان جدائی اور مالک اور مملوک کے درمیان علیحدگی ایک قابل فہم تصور ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔

(آیت) "انما اللہ الہ واحد سبحنہ ان یکون لہ ولد لہ مافی السموت والارض"۔ (۴ : ۱۷۱) (اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں)

اگر لوگوں کو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا بن باپ پیدا ہو جانا عجیب لگتا ہے اور وہ اس دنیا میں رات دن جو کچھ دیکھتے ہیں' اس کے خلاف لگتا ہے تو یہ تعجب اس لیے ہوتا ہے کہ یہ واقعہ معروف اور متعاد طریقہ کار سے ذرا ہٹ کر ہے۔ لیکن لوگ جس چیز کو روز دیکھتے ہیں وہ بھی پوری حقیقت نہیں ہے اور ان کے سامنے یہ کائنات جن قوانین کے مطابق چل رہی ہے اللہ کی پوری سنت ان کے اندر محدود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ان سنتوں اور قوانین کا خالق ہے۔ وہ ان کو دہراتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف بھی کر سکتا ہے۔ اس کی مشیت پر کوئی حد اور قید عائد نہیں ہے۔

(آیت) "انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القھا الی مریم وروح منہ (۴ : ۱۷۱) (مسیح عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ (اللہ کا ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی

مختصر ا یہ کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی پوزیشن اور دوسرے رسولوں کی پوزیشن میں کچھ فرق و امتیاز نہیں ہے۔ وہ وہی حیثیت رکھتے ہیں جو حضرت نوح (علیہ السلام) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہے اور وہ اسی برگزیدہ گروہ اور مختاران برائے منصب رسالت میں سے ایک ہیں جو انسانی تاریخ کے طویل ترین دور میں وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے۔

(آیت) "وکلمتہ القھا الی مریم"۔ (۴ : ۱۷۱) (ایک فرمان تھا جو مریم کی طرف بھیجا" قریب الفہم تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو براہ راست اپنے فرمان سے پیدا کیا۔ اس تکوینی حکم اور فرمان کے لیے قرآن کن فیکون کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اللہ نے مریم کی طرف یہ حکم متوجہ کیا اور اس کے بطن میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تخلیق ہو گئی اور یہ کسی باپ کے نطفے کے بغیر ہوئی۔ یعنی اس طرح نہ ہوئی جس طرح انسان کی عمومی زندگی کی روٹین میں ہوتا ہے اور اللہ کا یہ فرمان اور یہ کلمہ وہ ہے جو ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس لیے یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بطن مریم میں اپنے حکم اور نفخ روح سے پیدا کر دیں۔ (آیت) "وروح منہ" "وہ اللہ کی طرف سے ایک روح تھی۔

تمام کتب سماوی کے ماننے والے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے بنایا اور بنانے کے بعد اس میں روح پھونکی۔ اس طرح وہ انسان کی شکل اختیار کر گئے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(آیت) "اذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشرا من طین (۷۱) فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوالہ سجدین (۷۲) (۳۸ آیت ۷۲۔ ۷۲) (جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: "میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں' پھر جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ) اور یہی بات حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں فرمائی۔

(آیت) "والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا"۔ (۲۱: ۹۱) "اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا"۔ اس لیے قرآن مجید کے مطابق مریم کے اندر جو روح پھونکی گئی اور اس کی جو تعبیر قرآن نے کی ویسی ہی تعبیر حضرت آدم (علیہ السلام) کے بارے میں بھی کی ہے۔ اور دونوں جگہ نفخ روح کا ذکر ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی اس بات کا قائم نہیں ہے کہ حضرت آدم ابن اللہ ہیں حالانکہ وہ سب تخلیق آدم کی کہانی اور آدم میں نفخ روح کے قائل ہیں۔ نہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ آدم اقانیم الٰہیہ میں سے کوئی اقنوم ہیں۔ جس طرح وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں قائل ہیں۔ حالانکہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تخلیق اور نفخ روح کے لحاظ سے مکمل مشابہت پائی جاتی ہے۔ بلکہ آدم (علیہ السلام) بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا ہوئے تھے جبکہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے کیس میں بالاتفاق ماں تو موجود تھی۔ یہی حقیقت قرآن کریم دوسری جگہ پیش کرتا ہے۔

(آیت) "ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" (۳: ۵۸) "اللہ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جاؤ اور وہ گیا"۔ انسان اس بات پر متعجب ہوتا ہے کہ ذاتی خواہشات اور بت پرستی کے غلط افکار نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے نہایت ہی سادہ اور قابل فہم مسئلے کو کس قدر چیستان بنا دیا ہے۔ جس نے صدیوں تک کئی نسلوں کے ذہن کو پریشان کئے رکھا۔ لیکن جب قرآن آتا ہے تو وہ بڑی سادگی کے ساتھ ایک چٹکی سے اس مسئلے کو حل کر دیتا ہے۔ اور اصل حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

جو ذات باری حضرت آدم (علیہ السلام) کو بغیر والدین کے پیدا کر کے اسے روح دے سکتی ہے اور اسے تمام مخلوقات میں سے ممتاز اور برتر بنا سکتی ہے تو وہی ذات ہے جس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بن باپ پیدا کر دیا اور یہ تمہیں کیوں حیرت انگیز نظر آتا ہے۔ یہ بھی زندگی ہے اور وہ بھی زندگی ہے۔ اور اللہ کا یہ کلام نہایت ہی واضح اور سادہ اور قابل فہم ہے۔ بہ نسبت ان چیستانوں کے جو عیسائیوں کے ہاں رائج ہوئے اور ان کی انتہا الوہیت مسیح کی قرار داد پر ہوئی۔ اس نتیجے تک وہ محض اس لیے پہنچے کہ ان کا کوئی باپ نہ تھا۔ اور اسی کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے تین اقنوم کے قائل ہوئے حالانکہ وہ اس تصور سے پاک اور بلند تر ہے۔

(آیت) "فامنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلثۃ انتھوا خیرا لکم"۔ (۴: ۱۷۱) "پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آجاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔" اللہ اور رسولوں پر ایمان لانے کی اسی دعوت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بحیثیت رسول اور حضرت محمد (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم النبیین شامل ہیں اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں تم جن اساطیر اور جھوٹے دعوؤں پر یقین رکھتے ہو' ان سے باز آجاؤ۔ اس کی تفصیلات بعد میں مناسب مقام پر آرہی ہیں۔

(آیت) "انما اللہ الہ واحد" (۴ : ۱۷۱) (بے شک اللہ تو ایک ہی خدا ہے) اور اس کی وحدانیت پر اس کائنات کے اندر جاری وساری واحد ناموس گواہی دے رہا ہے۔ اس پوری مخلوقات کی وحدت' اس پوری کائنات کی فطرت کو ایک ہی نہج پر ڈال رہی ہیں۔ اور یہ نہج یہ ہے کہ اللہ نے کن کہا اور پھر سب کچھ ہو گیا۔ پھر انسانی عقل بھی واحد الہ پر گواہ ہے اس لیے کہ ایک واحد مدبر الہ کا وجود انسان کیلئے قابل فہم ہے۔ عقل انسانی کسی ایسے خالق کا تصور نہیں کر سکتی جو مخلوقات جیسا ہو' نہ وہ تین خالقیں کا تصور کر سکتی ہے اور یہ بات تو سمجھ میں آتی ہی نہیں کہ تین بھی ہوں اور ایک بھی ہو۔

(آیت) "سبحنہ ان یکون لہ ولد" (۴ : ۱۷۱) (وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو) بیٹا تو اس لیے ہوتا ہے کہ باپ فانی ہوتا ہے اور اس صورت میں نسل کا تسلسل مطلوب ہوتا ہے۔ اللہ تو ابد الاباد تک باقی ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ ایک فانی کو اپنا بیٹا بنائے جب تمام وہ چیزیں جو زمین میں ہیں یا آسمانوں میں ہیں وہ اللہ کی ملکیت میں ہیں۔

(آیت) "لہ مافی السموت والارض"۔ (۴ : ۱۷۱) "آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں"۔ اور بندوں کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ سب کے سب اللہ کے ساتھ رابطہ بندگی قائم کریں۔ وہ تو سب کا نگہبان اور محافظ ہے۔ اور سب کا پالنے والا ہے۔ اس لیے اللہ کے ساتھ رشتہ نکالنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ اور بندوں کے درمیان یہ تعلق قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا کفیل اور وکیل ہے، (آیت) "(وکفی باللہ وکیلا"۔ (۴ : ۱۷۱) " بندوں کی کفالت اور خبر گیری کیلئے وہی کافی ہے۔

یوں قرآن مجید اس حقیقت کو اس حد تک اجاگر کر دیتا ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے عقیدے کے بارے میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ احساس اور یہ شعور بھی دلایا جاتا ہے کہ اللہ ان کا کفیل اور نگہبان بھی ہے۔ اللہ ہر وقت ان کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ان کی ضروریات کا بھی وہ کفیل ہے۔ ان کے مفادات کا بھی وہ بند وبست کرنے والا ہے۔ تاکہ وہ اپنے تمام امور اطمینان کے ساتھ اس کے حوالے کر دیں۔

اب سیاق کلام میں بات ذرا آگے بڑھتی ہے۔ اب ہم نہایت ہی عظیم اور اہم نظریاتی مسئلے کی طرف آتے ہیں۔ وہ اعتقاد اور نظریہ جو ایک انسان کے دل ودماغ میں عقیدہ توحید کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ اللہ خالق اور مالک ہے۔ اور اس کے جواب میں انسان مملوک اور بندہ ہے۔ اس لیے دو حقائق عقیدہ یا دو اجزاء عقیدہ توحید کے لازمی حصے ہیں یہ کہ اللہ حاکم ہے اور لوگ محکوم اللہ الہ ہے اور معبود ہے اور لوگ عابد اور غلام' اور یہ کہ بندگی اور غلامی اس کرہ ارض کی تمام موجودات کیلئے ہے اور موجودات کی تمام اقسام وانواع اس کی بندگی میں ہیں۔

یہاں قرآن کریم نصاری کے اس عقیدے کی تصحیح کرتا ہے جس کے مطابق وہ فرشتوں کو بھی اللہ کے بیٹے اور اولاد تصور کرتے تھے یا ان کو خدا کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے تھے۔ جس طرح وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو الوہیت میں شریک کرتے تھے۔

172: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○

مسیح نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں، اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔

173: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○

اس وقت وہ لوگ جنہوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا ہے اپنے اجر پورے پورے پائیں گے اور اللہ اپنے فضل سے ان کو مزید اجر عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی و مددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں' ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے۔

(آیت)" نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۳۔

قرآن کریم نے عقیدہ توحید لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کی بڑی کوشش کی ہے۔ ایسی وحدانیت جس کے اندر شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو اور نہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کیلئے کسی قسم کا تشبہ لازم آتا ہو۔ قرآن کریم نے یہ کہا ہے کہ اللہ جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس جیسی ہے۔ نہ اللہ کی ماہیت میں اس کا کوئی شریک ہے۔ نہ صفت میں اس کے ساتھ کوئی شریک ہے۔ نہ خاصیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک ہے۔ اور قرآن کریم نے خالق اللہ اور مخلوقات کے درمیان ایک ہی رابطہ جائز رکھا ہے۔ اور وہی حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا تمام اشیاء (جس میں زندہ مخلوق بھی ہے) اس کے بندے اور تابع فرمان ہیں۔ جو شخص بھی قرآن کا مطالعہ کرے گا وہ دیکھے گا کہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کیلئے بہت ہی زور دیا ہے۔ اس حقیقت کے ہر پہلو کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس طرح کہ انسان کے دماغ میں کوئی شیڈ' کوئی شک اور کوئی پیچیدگی نہ رہے۔

پھر قرآن نے مزدی یہ دعوی بھی کیا ہے کہ یہ وہ حقیقت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے اس لیے قرآن کریم نے ہر رسول کی سیرت کے واقعات بیان کرتے وقت اور ہر رسول کی دعوت کا خلاصہ پیش کرتے وقت یہ کہا ہے کہ تمام رسولوں کی دعوت عقیدہ

توحید کی طرف رہی ہے۔ نوح (علیہ السلام) کی رسالت کا یہی عقیدہ رہا ہے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا محور بھی عقیدہ توحید رہا ہے ہر رسول کی دعوت میں یہ فقرہ بنیادی رہا ہے۔ (یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ) "اے قوم! اللہ کی بندگی کرو' تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔" لہٰذا یہ بات نہایت ہی تعجب انگیز تھی کہ ان سماوی ادیان کے پیروکاروں میں سے کوئی شخص یا قوم عقیدہ توحید کے اندر تحریف کرے' حالانکہ ان ادیان میں عقیدہ توحید مرکزی نکتہ رہا ہے اور ان ادیان نے اسے نہایت ہی قطعی اور فیصلہ کن انداز میں پیش کیا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی دین سماوی کے پیروکار اللہ کے لیے کسی کو بیٹے یا بیٹیاں قرار دیں۔ یا یہ کہ ذات باری اقانیم کی صورت میں کسی مخلوق کے اندر امتزاج اختیار کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عقائد صرف باہر کے بت پرستوں ہی سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

اسلام میں توالوہیت اور عبودیت باہم متقابل ہیں یہی اسلام کی اساس ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان حاکم و محکوم اور معبود اور عابد کے سوا کوئی اور تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ محکوم اور عابد مخلوق ہو گی اور حاکم اور معبود اللہ ہو گا۔

جب تک لوگ اس سیدھے نظریے اور عقیدے کو قبول نہ کریں گے نہ ان کی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کے تصورات درست ہو سکتے ہیں ورنہ ان کے خیالات میں خواہ مخواہ کوئی شیڈ کوئی ملاوٹ اور کوئی شبہ موجود رہے گا۔

ہاں یہ درست ہے کہ لوگوں کی زندگی اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی اور نہ ان کی سوچ میں ٹھہراؤ پیدا ہو سکتا ہے جب تک انھیں اپنے اور اپنے رب کے درمیان اس رابطے کا یقین نہ ہو جائے کہ رب ان کا حاکم ہے اور وہ اس کے محکوم ہیں۔ رب خالق ہے اور وہ مخلوق ہیں۔ رب ان کا مالک ہے اور وہ اس کے مملوک ہیں۔ یہ سب بندے اور مخلوقات اپنی اس حیثیت میں ایک جیسے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اللہ کا بیٹا نہیں ہے۔ کسی کے ساتھ اللہ کا امتزاج نہیں ہے اس لیے اللہ کے ساتھ کسی کی کوئی قرابت نہیں ہے۔ الا یہ کہ کسی کے پاس ایمان اور عمل کی کوئی پونجی ہو اور وہ اس پونجی کو اللہ کے سامنے قلبی رجحان کے ساتھ پیش کرے اور یہ تقرب وہ ہے جو اللہ کے ساتھ اس کی مخلوق میں ہر شخص حاصل کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ کوئی اللہ کا بیٹا ہے یا یہ کہ کسی کے ساتھ اللہ نے امتزاج اختیار کر لیا ہے تو یہ کسی بشر کو بھی حاصل نہیں ہے۔

جب تک لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں یہ حقیقت نہیں بیٹھ جاتی کہ وہ سب کے سب ایک ہی رب کے بندے اور غلام ہیں' اس وقت تک ان کی زندگی درست ہو سکتی ہے' نہ ان کے باہمی رابطے قائم ہو سکتے ہیں اور نہ وہ فرائض حیات کو اچھی طرح سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس تصور کا نتیجہ یہ ہے کہ احکم الحاکمین کے ساتھ سب کا موقف برابر فاصلے پر ہو گا اور اس کے ساتھ قرب حاصل کرنا سب کیلئے کھلا ہو گا۔ یوں تمام بنی نوع انسان کے درمیان مرتبہ کے اعتبار سے مکمل مساوات ہو گی۔ اس طرح کہ مالک الملک کے ساتھ ان کا فاصلہ برابر ہو گا اور یہاں پر وہ کھوٹا اور غلط دعوی بالکل باطل ہو جائے گا کہ یہاں اللہ اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس تصور کے مطابق کسی فرد یا کسی نسب یا کسی طبقہ حاکمہ کی جانب سے اپنے لیے حاصل کردہ وہ تمام حقوق بے اصل ہو جاتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں سے رب کے ساتھ تعلق کے حوالے سے کسی

طرح ممتاز ہیں۔ اس تصور کے سوا عوام الناس کے اندر حقیقی مساوات قائم نہیں ہو سکتی نہ انسانوں کا کوئی نظام حیات یا ان کی کوئی سوسائٹی اصول مساوات پر قائم ہو سکتی ہے۔

اس لیے عقیدہ توحید اس نقطہ نظر سے محض ایک ایسا مسئلہ ہی نہیں رہتا کہ وہ ویک وجدانی تصور ہے جو کسی شخص کے قبل میں مضبوطی سے بیٹھ جائے اور بس' بلکہ عقیدہ توحید ایک نظام زندگی' معاشرتی رابطہ اور بنی نوع انسان کی مختلف نسلوں اور اقوام کے درمیان روابط یعنی سوشیالوجی اور بین الاقوامی مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے اسلام نے انسان کو عقیدہ توحید دے کر اسے ایک جدید زندگی اور نشاۃ ثانیہ عطا کی ہے۔ اس کی رو سے انسان تمام انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر صرف ایک رب ذوالجلال کا غلام بن جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا کنیسہ قائم نہیں ہوا جو لوگوں کو اپنا محکوم اس تصور حیات کی اساس پر بنائے کہ وہ ابن اللہ کا نمائندہ ہے۔ یا وہ اس اقنوم کا نمائندہ ہے جو لوگوں کو اپنا محکوم اس تصور حیات کی اساس پر بنائے کہ وہ ابن اللہ کا نمائندہ ہے۔ یا وہ اس اقنوم کا نمائندہ ہے جو اللہ کے اقانیم کیلئے متمم ہے۔ اس وجہ سے اسلامی تاریخ میں مسلمانوں پر تھیاکریسی کا نظام کبھی قائم نہیں ہوا جس میں کوئی بادشاہ اپنے لیے ظل اللہ فی الارض کا لقب اختیار کرے اس طرح کہ اسے حکومت کا حق من جانب اللہ ہے یا یہ کہ وہ از جانب اللہ قانون سازی کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ اللہ کا قرابت دار ہے یا اللہ نے اپنے اختیارات اسے تفویض کر دیئے ہیں۔

کنیسہ اور پوپ نے اپنے لیے یہ حق محفوظ کئے رکھا۔ اسی طرح پیٹر کے پیرو بھی اپنے لیے اس حق کا دعوی کرتے تھے۔ یہ حق یورپ میں ابنیت اور امتزاج اقانیم کے نظریات کے تحت لوگ اپنے لیے مخصوص کرتے رہے۔ جب صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگیں شروع کیں اور مسلمانوں سے لڑتے رہے۔ تو وہ صلیبی جنگوں میں شکست کے ساتھ ساتھ اسلام کے نظریہ توحید سے بھی شکست کھا گئے، ان جنگوں کے نتیجے میں یورپ کے اندر تحریک اصلاح مذہب شروع ہو گئی اور مارٹن لوتھر' کالون اور زنجلی کی تحریکات شروع ہوئیں۔ جنہوں نے کنیسہ کے باطل تصورات کی دھجیاں بکھیر دیں۔ یہ سب مصلحین اسلام کے سیدھے سادھے تصور حیات سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے انسان کے تقدس کے نظریے یا اس تصور کی نفی کی کہ اللہ نے اپنے اختیارات کسی کو تفویض کئے ہیں اس لیے کہ انھوں نے دیکھا کہ اسلام میں ایک الہ ہے اور مقابلے میں تمام لوگ بندے ہیں اور ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں قرآن کریم میں الوہیت مسیح کے نظریہ کی فیصلہ کن انداز میں تردید کر دی گئی۔ اسی طرح روح القدس کی خدائی کی بھی تردید کر دی کہ وہ اقانیم ثلاثہ میں سے ایک ہیں۔ غرض کسی شکل میں بھی کسی کیلئے نظریہ الوہیت کی تردید کر دی گئی چاہیے کوئی یہ نظریہ کسی کیلئے بھی اختیار کرے۔ قرآن کریم فیصلہ کن انداز میں یہ اعلان کرتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے بندے ہیں اور انھوں نے کبھی بھی اللہ کا بندہ ہونے کو اپنے لیے عار نہیں سمجھا اسی طرح ملائکہ مقربین بھی اللہ کے بندے ہیں اور انھوں نے بھی اپنے لیے اپنی اس حیثیت کو کبھی عار نہیں سمجھا تمام

مخلوقات اس کی بندگی میں ہے اور عنقریب ان کو اللہ کے سامنے اجتماعی طور پر اٹھایا جائے گا۔ جو لوگ اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار اور توہین سمجھتے ہیں وہ عذاب الیم کا انتظار کریں اور جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ وغلام سمجھتے ہیں وہ انعام واکرام کے امیدوار ہوں۔

(آیت) "لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملئکۃ المقربون ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبر فسیحشرھم الیہ جمیعا (۱۷۲) فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبھم عذابا الیما، ولایجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا (۱۷۳) (۴: ۱۷۲۔ ۱۷۳)"

مسیح نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں، اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔ اس وقت وہ لوگ جنہوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا ہے اپنے اجر پورے پورے پائیں گے اور اللہ اپنے فضل سے ان کو مزید اجر عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی ومددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں' ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے۔"

حضرت مسیح ابن مریم اپنے آپ کو اللہ کی بندگی کے مقام سے بلند نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ مقام الوہیت اور مقام عبودیت سے واقف ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ الوہیت اور عبودیت الگ الگ حقائق ہیں اور ان کے درمیان امتزاج ممکن نہیں ہے۔ وہ سب سے زیادہ جانتے تھے کہ وہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اللہ کی درمیان امتزاج ممکن نہیں ہے۔ وہ سب سے زیادہ جانتے تھے کہ وہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں' اور اللہ کی مخلوق اللہ جیسی نہیں ہو سکتی۔ نہ وہ اللہ کا جزو ہو سکتی ہے اور وہ سب سے زیادہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ بندگی کے فرائض صرف اللہ کے سامنے بجالائے جانے چاہئیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے اللہ کی بندگی بجالانا ایک حقیقت ہے اور اس کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اللہ کی بندگی کا انکار صرف کافر کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور انشاء کو نہیں مانتے اور یہ کہ بندگی وہ مرتبہ ہے اور وہ اعزاز ہے جو اللہ اپنے رسولوں کو اس وقت دیتے ہیں جب وہ اعلیٰ اور افضل مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ یہی حال ملائکہ مقربین کا ہے جن میں روح القدس شامل ہیں۔ ان کا حال بھی یہی ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور تمام دوسرے رسل کا ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ لہٰذا اب حضرت مسیح کے ان پیروکاروں کو کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کے حوالے سے اس بات کی نفی کرتے ہیں جس کے وہ خود مقرر ہیں۔

(آیت) "ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبر فسیحشرھم الیہ جمیعا (۴: ۱۷۲) (اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا) اس لیے اگر وہ خدا کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں اور اللہ کے مقابلے میں

بڑائی کرتے ہیں تو ان فعل انھیں اللہ کے سامنے لا کھڑا ہونے سے ہر گز نہ بچا سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر حاکم مطلق ہے اور اللہ کی حاکمیت کے مقابلے میں مقرب بندے اور تمام لوگ ایک ہی جیسے ہیں۔

جن لوگوں نے حق کو پہچان لیا اور انھوں نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کر لیا اور انھوں نے نیک کام کئے' اس لیے کہ نیک کام کرنا اللہ کی عبودیت کے اقرار کا لازمی ثمرہ ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں ان کے صلہ پورا پورا دے گا اور اس صلے سے مزید ان پر اپنا فضل بھی کرے گا۔

(آیت) "واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبھم عذابا الیما، ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا (۴: ۱۷۳)" (اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی و مددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں' ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے)

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی جانب سے بندگی کا اقرار اور اس کی بندگی و عبادت کا مطالبہ اس لیے نہیں کرتے کہ اللہ کو ان کے اقرار غلامی یا بندگی کی کوئی خاص ضرورت ہے۔ وہ تو غنی بادشاہ ہے یا یہ کہ اگر یہ لوگ بندگی کریں گے تو اس کی حکومت اور سلطنت میں کوئی اضافہ ہو جائے گا یا یہ کہ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو اس کی مملکت میں کوئی کمی ہو جائے گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ لوگ اللہ کی ربوبیت اور حاکمیت کا مفہوم سمجھ لیں۔ وہ اپنے تصورات و عقائد کی تصحیح کر لیں اور وہ اپنے جذبات اور اپنے شعور کے اندر اصلاح کر لیں جس کے نتیجے میں ان کی زندگی اور زندگی کے طور طریقوں کی اصلاح از خود ہو جائے گی۔ اس لیے کہ کوئی نظام زندگی اس وقت تک پر سکون اور پر امن نہیں ہو سکتا اور کوئی تصور اور عقیدہ اس وقت تک مستحکم اور مستقر نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی بنیاد میں مستحکم نہ ہو۔ زندگی کا کوئی تصور اور کوئی نظام اللہ کی حاکمیت اور اللہ کی بندگی کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے بغیر زندگی میں اچھے آثار نمودار کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ جس کا بیان اوپر کر دیا گیا ہے لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور اس پر ان کی زندگی کا تفصیلی نقشہ مرتب ہو جائے تاکہ وہ انسانوں کی بندگی سے نکل کر صرف اللہ کی بندگی میں داخل ہو جائیں۔ انھیں معلوم ہو جائے کہ اس پوری کائنات اور اس کرہ ارض پر اصل حاکم کون ہے۔ وہ اس کے سوا کسی کے آگے نہ جھکیں۔ وہ اسی کے نظام زندگی اور اسی کے منہاج کے پیرو ہو جائیں۔ وہ اسی کی شریعت کی اطاعت کریں۔ صرف ان حکمرانوں کی اطاعت کریں جو اللہ تعالیٰ کا نظام زندگی نافذ کرنے والے ہوں۔ اللہ کا ارادہ صرف یہ ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ بندے سب کے سب اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ کے بندے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سر اٹھا کے چلیں اور اگر وہ سر جھکاتے ہیں تو صرف اللہ کے سامنے سر جھکائیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ لوگ جبار' قہار اور اللہ کے باغی حکمرانوں کے مقابلے میں اپنی عزت نفس کا شعور حاصل کریں۔ جب لوگ اللہ کے سامنے رکوع و سجود کریں تو ان کا فرض ہے کہ وہ صرف اللہ کو یاد کریں اور اللہ کے سوا کسی کو یاد نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ یہ لوگ اچھی طرح سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب رشتہ داری اور نسب کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ قرب صرف تقوی اور عمل صالح کی وجہ سے نصیب ہوتا ہے۔ اس زمین کی تعمیر اور نیک کام اللہ کی قرابت اور نزدیکی کا باعث

ہیں۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو حقیقت ربوبیت اور حاکمیت کا ادراک ہو اور وہ اپنے مقام بندگی کو اچھی طرح پہچان لیں۔ وہ اللہ کی حاکمیت کیلئے غیرت اور حمیت رکھتے ہوں اور جو شخص بھی اللہ کے حق حاکمیت میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ اس کیلئے سد راہ بن جائیں اور تمام حقوق حاکمیت صرف اللہ کے ساتھ خاص کر دیں۔ اس طرح ان کی زندگی کی اصلاح ہو جائے گی۔ وہ ترقی کریں گے۔ اور اساس بندگی پر مکرم ہوں گے۔

اس عظیم حقیقت کا ادراک' تمام انسانوں کی جانب سے صرف اللہ کی طرف دیکھنا' تمام لوگوں کے قلوب کا اللہ کے ساتھ مربوط ہو جانا۔ تمام لوگوں کے اعمال کا خدا خوفی پر مبنی ہو جانا' تمام لوگوں کے نظام زندگی کا سب کو چھوڑ چھاڑ کر اللہ کے اذن اور حکم پر مبنی ہو جانا وغیرہ یہ سب امور ہیں جو اس دنیا میں بھلائی آزادی' عدل اور استقامت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ جس سے انسانیت کے سرمایہ میں اس دنیاوی زندگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ غرض یہ ایک ایسا سروسامان ہے جس سے اس دنیا میں حریت' شرافت' عدل اور استقامت کا دور دورہ ہو گا اور ایسے نیکو کار لوگوں کا انجام آخرت میں کیا ہو گا' ان پر اللہ کا کرم ہو گا ان پر اس کا فضل خاص ہو گا۔ اور وہ اللہ کے فیض خاص سے فیض یاب ہوں گے

۔

ہمارا فرض ہے کہ درج بالا نکات کی روشنی اسلام اور ایمان کے تقاضوں پر غور کریں' اور یہ فیصلہ کریں کہ ایسا ایمان تمام رسولوں کی رسالتوں کی اساس رہا ہے۔ بعد کے ادوار میں ایمان کی اس اصلی صورت میں تحریف اور تبدیلی ہو گئی۔ ایمان کے اس حقیقی نقطہ نظر سے معلوم ہو گا کہ ایمان کے اس حقیقی نقطہ نظر سے معلوم ہو گا کہ ایمان لانے کی وجہ سے بشریت کو ایک نیا جنم نصیب ہو گا اور اس صورت میں ایمان مقام شرافت اور اعلان حریت ہو گا۔ اس کے نتیجے میں عدل و انصاف کا قیام ہو گا اور انسان انسان کی بندگی اور غلامی سے نکل آئے گا۔

جو لوگ اللہ کی بندگی کو اپنے آپ سے فروتر سمجھتے ہیں اور پھر وہ اس کرہ ارض پر دوسری لاتعداد اور نہ ختم ہونے والی بندگیوں میں پھنس جاتے ہیں' آخر کار وہ اپنی نفسانی خواہشات کے بندے بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اوہام اور خرافات کے غلام بن جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر ان کی پیشانیاں ان انسانوں کے سامنے جھکتی ہیں پھر ان کی زندگی میں ان کے نظم و نسق میں' ان کے قانون میں' اور ان کے حسن و قبح کے پیمانوں پر بھی انہی جیسے انسان حاکم ہو جاتے ہیں حالانکہ حقیقت نفس الامری میں وہ دونوں برابر اور ایک جیسے انسان ہوتے ہیں لیکن اس طرح غیر اللہ کی اطاعت کر کے انھوں نے غیر اللہ کو اپنا الہ تسلیم کر لیا۔ یہ تو ان کی پوزیشن ہو گی ہیں اس دنیا میں کہ وہ اپنے جیسے لوگوں کے غلام ہو گئے اور آخر میں ان کی پوزیشن یہ ہو گی۔

(آیت) "فیعذبھم عذابا الیما، ولایجدون لھم من دون اللہ ولیاولا نصیرا (۱۷۳) (۴ : ۱۷۳)" (ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی و مددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں' ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے)

اسلامی نظریہ حیات میں یہ ایک اہم مسئلہ ہے جسے قرآن نے اس آیت میں پیش کیا ہے۔اس کے ذریعے اس وقت اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کی تردید کی گئی ہے اور اب قیامت تک یہ ہمارے لیے سنگ میل ہے۔

سابقہ سبق میں یہودیوں پر تنقید کر کے بتایا گیا تھا کہ لوگو ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر اللہ گواہ ہیں جس کی شہادت قطعی برہان ہے۔اسی طرح یہاں نصاری کی تردید کر کے پھر تمام لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ یہ رسالت اللہ کی جانب سے برہان ہے۔اور یہ ایک نئی روشنی ہے جس سے جہالت کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور تمام شبہات دور ہو جائیں گے۔جس شخص نے اس سے ہدایت حاصل کی اور اسے پختگی سے پکڑا تو اس پر اللہ کی رحمت ہو گی اور اللہ کا فضل اس کے شامل حال ہو گا اور اس روشنی اور ہدایت میں وہ صراط مستقیم پائے گا۔

174: يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ○

لوگو ! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔اس قرآن کریم میں اللہ رب العالمین کیلئے برہان ہے۔

(آیت) " نمبر ۱۷۴۔

" (آیت) " یایھا الناس قد جآءکم برھان من ربکم "۔(۴ : ۱۷۴) ("لوگو ! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آ گئی ہے

قرآن کریم ایک ایسا کلام ہے جس کے اندر ایسے شواہد موجود ہیں کہ وہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔اس کے اندر ربانی کاریگری کے شواہد پائے جاتے ہیں اور اس کو یہ شواہد انسانوں کے کلام سے ممتاز کرتے ہیں۔کلام الہی میں الفاظ کی نشست و برخاست اور روانی قابل دید ہوتی ہے۔اور کلام اللہ کی فصاحت اور بلاغت ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس سے نہ صرف یہ کہ انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض واقعات ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو ناقابل یقین نظر آتے ہیں مثلا وہ لوگ جو عربی زبان سے بالکل ناواقف ہیں وہ بھی جب قرآن مجید کی تلاوت سنتے ہیں تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے

۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ بحری جہاز پر سوار تھے۔بحر اوقیانوس میں جانب امریکہ سفر کر رہے تھے۔ہم نے عرشہ پر جمعہ کی نماز کا اہتمام کیا ۔ہم میں سے چھ آدمی مختلف عرب ممالک کے باشندے تھے اور کچھ دوسری قومیتوں اور نوبہ کے حبشی بھی تھے جو جہاز کے عملے میں شامل تھے۔

میں نے خطبہ دیا اور خطبے میں قرآن کریم کی بعض آیات تلاوت کیں۔اس جہاز کے تمام باشندے ہمارے نماز کے اس اجتماع کو گھیرے ہوئے تھے۔یہ مختلف قومیتوں کے لوگ تھے۔غور سے دیکھ رہے تھے۔

نماز کے بعد بہت سے لوگ ہمارے پاس آتے اور اپنے تاثرات بیان کرتے رہے۔ لیکن ان میں یوگوسلاویہ کی ایک محترمہ بہت ہی متاثر تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے وہ اپنی وہ اپنی کمزور انگریزی میں ہم سے یوں کہنے لگی کہ تمہاری عبادت کے اندر جو خشوع و خضوع ہے میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ مجھے تمہاری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا لیکن اس زبان کے اندر ایک ایسا صوتی ترنم ہے جو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ خطیب کے خطبہ میں بعض جملے نہایت ہی ممتاز ہیں اور ان کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ خاص فقرے قرآنی آیات کے وہ حصے اور ٹکڑے تھے جو اپنی فصاحت و بلاغت کے اندر نہایت ہی ممتاز ہوتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے ان کے ہاں یہ قاعدہ کلیہ ہے اور ہر قاری کی تلاوت قرآن کا سامعین پر ضرور ایسا ہی اثر ہوتا ہے لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ یہ قرآن کا بالکل ایک واضح وصف ہے کہ اس کی آواز ایسے لوگوں کو بھی مسحور کر دیتی ہے جو بالکل عربی نہیں جانتے۔

رہے وہ لوگ جو عربی کا خاص ذوق رکھتے ہیں اور جو عربی کے مختلف اسالیب سے واقف ہیں' ان پر قرآن کے اثرات کی عجیب و غریب حکایات تاریخ کا حصہ ہیں۔ جب حضور خود اہل کعبہ پر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔ تو اخنس ابن شریق' ابو سفیان ابن حرب' اور ابو جہل کا قصہ بہت ہی مشہور ہے۔ سیرت ابن ہشام میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک رات ابو سفیان ابن حرب' ابو جہل اور اخنس ابن شریق ثقفی' بنی زہرہ کے حلیف رات کے وقت اپنی اپنی جگہ سے چل پڑے تاکہ حضور کا کلام سنیں جبکہ آپ رات کے وقت اپنے گھر میں نماز کے وقت تلاوت فرماتے تھے۔ ہر شخ ایک بیٹھ گیا اور قرآن کریم کی تلاوت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کے بارے میں خبر نہ تھی۔ وہ رات کے وقت کلام الٰہی سنتے رہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔ جب واپس ہونے لگے تو یہ سب ایک دوسرے سے راستے میں مل گئے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو سخت سست کہا اور یہ بات نوٹ کی گئی کہ اگر کسی عام شخص نے دیکھ لیا تو وہ اس تحریک کا شکار ہو جائے گا' پھر وہ واپس چلے گئے، جب دوسری رات ہوئی تو پھر تینوں نہ رہ سکے اور پھر اپنے اپنے خفیہ مقامات پر بیٹھ گئے' رات کو قرآن کریم سنتے رہے' جب صبح ہونے لگی تو اتفاقاً پھر راستے میں تینوں کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے پہلے طرح ایکدوسرے کو ملامت کی۔ جب تیسری رات ہوئی تو پھر یہ تینوں قرآن کریم کو سننے کیلئے پہنچ گئے، رات گئے تک قرآن کریم سنتے رہے اور جب صبح کو لوٹنے لگے تو پھر راستے میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ اب کے انھوں نے کہا کہ جب تک ہم حلف نہ اٹھالیں گے ہم رک نہ سکیں گے۔ اس کے بعد انھوں نے حلف پر معاہدہ کیا اور گھروں کو چلے گئے۔

یہ تو ایک قصہ تھا' ان لوگوں کا جن کو زبان عربی اور قرآن کریم کے اندر ایک ذوق ہے۔ وہ جس دور میں بھی ہوں وہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم بذات خود ایک سلطان اور برہان ہے اور لفظی اور معنوی لحاظ سے معجزہ ہے۔

جہاں تک معنوی اعجاز کا تعلق ہے تو قرآن کریم نے جو فکر پیش کی ہے' جو نظام زندگی اس نے پیش کیا ہے' اور زندگی کا جو نقشہ اس نے تجویز کیا ہے اس جگہ ہم اس کی تفصیلات نہیں دے سکتے۔ لیکن ان تمام پہلوؤں سے بھی قرآن کریم معجزہ ہے اور اس کے اندر برہان اور سلطان موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا مصدر اور منبع کیا ہے اور یہ کہ وہ انسانی کلام نہیں ہے۔ اس کا انداز اور طرز ادا ایسی ہے جو کسی انسانی کلام کے اندر نہیں ہوتی۔ اس لیے (آیت) "وانزلنا الیکم نورا"۔ (۴: ۱۷۴) "اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔"۔۔ ایسی روشنی جس کی شعاعوں میں اشیاء کی صحیح حقیقت نظر آتی ہے اور بہت ہی واضح نظر آتی ہے اور جس کی روشنی میں زندگی کے دوراہے پر انسان کو حق و باطل کے راستوں میں سے حق کا راستہ صحیح نظر آتا ہے۔ نفس کی داخلی راہوں کے اندر بھی اور زندگی کی خارجی شاہراہوں پر بھی۔ جو نفس قرآن کی روشنی سے منور ہو اسے اپنا ماحول اچھی طرح نظر آتا ہے۔

اس نور کے مقابلے میں دھند چھٹ جاتی ہے' فضا کھل جاتی ہے اور پھر حقیقت واضح اور کھلی نظر آتی ہے۔ جب یہ روشنی نفس انسانی کو حاصل ہو جاتی ہے تو انسان اپنے اوپر ہنسنے لگتا ہے کہ حقیقت تو بہت ہی کھلی تھی' لیکن تعجب ہے کہ اسے نظر نہ آ رہی تھی۔

اور جب کوئی انسان اپنی روح کے ساتھ کچھ عرصہ قرآنی فضا کے اندر رہے اور قرآن سے اپنے تصورات' حسن و قبح کے پیمانے اور اپنی اقدار اخذ کر لے تو وہ تمام معاملات کو نہایت ہی آسانی' نہایت ہی سادگی اور نہایت ہی وضاحت کے ساتھ دیکھتا ہے اور پھر اسے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ کئی ایسے فیصلے جو اس نے کئے اور جو اس کے لیے خلجان کا باعث تھے' اور وہ اسے سمجھ نہ آتے تھے' اب بڑی آسانی سے اس کی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ اب حقائق بڑی آسانی سے نکھر جاتے ہیں اور حقائق کے ساتھ جو مزید آلودگیاں تھیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمام حقائق اس طرح ذہن میں اتر جاتے ہیں جس طرح ابھی اللہ کی جانب سے صاف و شفاف ہو کر سامنے آئے ہوں۔

کس قدر کم الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ (آیت) "(وانزلنا الیکم نورا مبینا) (۴: ۱۷۴) "اور ہم نے تم پر واضح کرنے والی روشنی اتاری ہے"۔ میں نے ان الفاظ کی تشریح اور ان پر تبصرہ صرف اس شخص کی خاطر کیا ہے جس نے اپنے اندر کتاب اللہ کی کچھ روشنی پائی ہو' اس شخص کیلئے نہیں جس کے اندر اس روشنی کی کوئی چمک ہی نہ ہو۔ یہ روحانی روشنی اس وقت حاصل کی جا سکتی ہے جب انسان اس کیلئے دلی کوشش کرے اور ذاتی ذوق پیدا کرے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ قرآنی علوم کے اندر تجربہ رکھتا ہوں اور براہ راست قرآن سے روشنی پانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

175: فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّیَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۝

جو لوگ بات مان لیں گے اور رب کی پناہ ڈھونڈیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کے دامن میں لے لیگا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ ان کر دکھادے گا۔

(آیت) " نمبر ۱۷۵۔

جب کسی انسان کے اندر ذوق ایمان پیدا ہو جائے تو وہ فوراً اللہ کی پناہ میں آنے کی سعی شروع کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان صحیح ہو اور نفس انسانی اللہ کی حقیقت کو پا چکے اور اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ کی بندگی کا مفہوم کیا ہے۔ جب یہ حقیقت کوئی پالے تو اس کے سامنے اللہ کی پناہ میں پہنچ جانے کے سوا اور کوئی راہ ہی نہیں رہتی اس لیے کہ اللہ ہی بادشاہت اور قدرت کا مالک ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل کے سائے میں لے لیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی ان پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ان پر رحمت اور فضل و کرم ہوتا ہے' وہ عاجلہ میں بھی کامیاب اور آجلہ میں بھی کامیاب۔ پس صحیح ایمان ایک گھنے سائے والا ایک ایسا پر نم باغ ہے جس کے اندر انسان روح' بے چین روح' حیران و پریشان روح نہایت ہی خوشگوار باد نسیم پاتی ہے اور اطمینان و سکون حاصل کرتی ہے۔ جبکہ اجتماعی لحاظ سے ایمان ایک ایسا اصول حیات ہے جس کے اوپر اجتماعی زندگی پاکیزگی' احترام شرافت' آزادی اور استحکام کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ ہر انسان کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ وہ صرف اللہ کا بندہ ہے اور اس کے سوا جس قدر اشیاء اس کائنات میں ہیں ان کا وہ سردار ہے۔ اسلام کے ایمانی نظام زندگی کے سوا کسی اور نظام کے اندر یہ تصور ناپید ہے۔ صرف اسلام اس دنیا میں ایک ایسا نظام ہے جس کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے جیسے لوگوں کی غلامی سے نکالا جائے اور صرف اللہ کی بندگی میں داخل کیا جائے۔ یہ نظریہ انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ صرف اللہ کو اپنا حاکم سمجھتا ہے اور لوگ تمام کے تمام لوگ' اللہ کے بندے ہو کر ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ بادشاہت اور حاکمیت صرف اللہ کیلئے خاص ہو جاتی ہے اور انسان انسان کا غلام نہیں رہتا۔ دوسرے نظاموں میں اگرچہ بظاہر وہ آزاد نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً وہ دوسروں کا غلام ہوتا ہے۔

پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ بہر حال اللہ کی رحمت اور فضل میں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اس زندگی میں بھی رحمت میں ہوتے ہیں اور اخروی زندگی میں بھی رحمت میں ہوتے ہیں۔ (آیت) " ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما"۔ (۴ : ۱۸۵) " اللہ ان کو اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھادے گا"۔۔ اس فقرے میں لفظ الیہ " اپنی طرف " سے یوں نظر آتا ہے کہ انسان قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہاتھ پکڑ کر مومنین کو اپنی طرف آگے بڑھا رہے ہیں۔ ان کو اللہ کی طرف آنے کے لیے بالکل سیدھے راستے کے ذریعے لے جایا رہا ہے۔ وہ قدم بہ قدم اللہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس ایک لفظ سے عبادت کی خوبی اور حسن کو صرف وہ شخص ہی پا سکتا ہے جس نے علی وجہ البصیرت اللہ پر ایمان اپنے اندر پیدا کر لیا ہو اور اس نے راہ ایمان کو پختہ طور پر پکڑ لیا ہو۔ اسے راہ حق پر ہونے کا پختہ یقین ہو۔ اسے ہر لمحہ یہ بات محسوس ہوتی ہو کہ وہ راہ حق کا مسافر ہے۔

اور راستے اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور وہ ہر لمحہ آگے ہی بڑھ رہا ہے۔ سیدھے راستے پر واضح پالیسی کے ساتھ۔ یہ ایک مفہوم ہے جس کا تعلق ذوق یقین کے ساتھ ہے اور اس کا احساس اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ذوق اور ذائقہ درست نہ ہو۔

176: يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

لوگ تم سے کلالہ کے معاملے میں فتوی پوچھتے ہیں' کہو اللہ تمہیں فتوی دیتا ہے' اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مر جائے تو بھائی اس کا وارث ہو گا۔ اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی اور اگر بھائی اور بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہو گا۔ اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

(آیت) " نمبر ۱۷۶۔

یہ اس سورۃ کا آخری سبق ہے اس سورۃ کا آغاز خاندانی تعلقات کی استواری سے ہوا تھا۔ افراد خاندان کے درمیان تعلقات کی درستی سے ہوا تھا اور اس کے درمیان بعض اہم اجتماعی معاملات کا بیان بھی ہوا تھا۔ اب یہ آخری سبق میراث کلالہ کے بارے میں۔ حضرت ابو بکر (رض) اور دوسرے اصحاب کے مطابق کلالہ وہ ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور نہ اس کے والدین ہوں۔

کلالہ کے بارے میں بعض احکام سورۃ کے آغاز میں بیان میراث کے وقت آگئے تھے۔ مثلا یہ کہ اگر کلالہ کے عصبات نہ ہوں اور اس کی میراث کے حقدار صرف ماں کی طرف سے بہن بھائی ہوں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

(آیت) " وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکآء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضآر وصیۃ من اللہ، واللہ علیم حلیم "۔ (سورۃ نمبر ۱۲ آیت نمبر ۱۲ آخری حصہ)

اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم طلب ہے بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا بہن موجود ہو " تو بھائی بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔ جب کہ

وصیت جو کی گئی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور (اللہ دانا اور بینا اور نرم خو ہے۔" (آیت) "۱۱، ۱۲

اب کلالہ کی دوسری شکل کا بیان کیا جاتا ہے جو وہاں نہ کیا گیا تھا۔ اگر متوفی کے والدین اور اولاد نہ ہو اور صرف ایک حقیقی بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو تو وہ نصف ترکہ کی حقدار ہو گی۔ لیکن اگر ایسی بہن مر جائے تو اس کا تمام ترکہ یہ بھائی لے گا۔ اصحاب قروض کے حصص کے سوا اگر اس عورت کے والدین اور اولاد نہ ہو۔۔ ہاں اگر میت کی ایک کے بجائے دو بہنیں ہوں حقیقی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے ہوں تو وہ دو تہائی کی حقدار ہوں گی۔ اگر بہت سے بھائی بہن موجود ہوں تو مطابق اصول مرد کا حصہ عورت کے دو حصوں کے برابر ہو گا۔ ہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر حقیقی بہن بھائی موجود ہوں تو پھر صرف باپ میں شریک بہن یا بھائی محروم ہو جائیں گے۔

یہ آیت میراث ختم ہو جاتی ہے اور اس پر اس سورۃ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور آخر میں وہی قرآنی تنبیہ اور اختتامیہ آتا ہے کہ تمام باتوں کا مآل اور مرجع اللہ ہی کی طرف ہے اس طرح تمام حقوق واوجبات اور تمام مالی اور غیر مالی امور میں شریعت کی پابندی کو لازمی کر دیا جاتا ہے۔

(آیت) "یبین اللہ لکم ان تضلوا، واللہ بکل شیء علیم (۴ : ۱۷۶) "اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے کہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے"۔ یہ نہایت ہی جامع آیت ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے میراث میراث کا بھی اور دوسرے امور کا بھی، خاندانی تعلقات کا بھی اور اجتماعی امور کا بھی۔ احکام کا بھی اور قانون سازی کا بھی، یا تو تم ہر معاملے میں اللہ کے احکام کی تابعداری کرو گے یا پھر گمراہی میں پڑو گے۔ تمہارے زندگی بسر کرنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔ یا تو طریقہ ہدایت ہے۔ جو اللہ نے بیان کیا ہے اور یا کوئی دوسرا طریقہ ہے جو گمراہی ہے۔ اللہ نے سچ کہا ہے۔ (آیت) "فماذا بعد الحق الا الضلال" "سچائی کے علاوہ گمراہی کے سوا اور کیا ہے"۔